

غالب کر دے پورے نظامِ زندگی پر (عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ)۔ لفظ دین کے ترجمہ میں بھی ہمارے ہاں کچھ اختلاف رہا ہے۔ بعض لوگوں نے ”تمام ادیان“ ترجمہ کر دیا ہے، بعض نے ”سب دین“ ترجمہ کیا ہے، اسی طرح بعض لوگوں نے اس سے ”کل دین“ اور بعض نے ”جنس دین“ مراد لیا ہے۔ یہ مؤخر الذکر ترجمہ درحقیقت اصل مفہوم سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ گویا اس کا اصل مفہوم اور معنی یہ ہو گا کہ یہ دین حق غالب ہو جائے پورے جنس دین پر، پورے نظامِ زندگی پر اللہ کا نظام اس شان سے قائم ہو جائے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اس سے مستثنیٰ نہ رہے۔ اللہ کا عطا کردہ نظامِ عدل و قسط زندگی پر بحیثیت ایک وحدت اور ایک ”organic whole“ کے نافذ و غالب ہو جائے۔ یہ ہے مقصد محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا۔

”دین“ اور ”مذہب“ میں فرق

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ لفظ ”مذہب“ اور لفظ ”دین“ میں مفہوم کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں عام طور پر اسلام کو مذہب کہا جاتا ہے، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں اور حدیث کے پورے ذخیرے میں اسلام کے لئے مذہب کا لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا، بلکہ اس کے لئے ہمیشہ ”دین“ ہی کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ کہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول دین تو صرف اسلام ہے۔ دین اور مذہب میں بنیادی فرق کو سمجھ لیجئے! مذہب ایک جزوی حقیقت ہے۔ یہ صرف چند عقائد (dogma) اور کچھ مراسمِ عبودیت (rituals) کے مجموعے کا نام ہے۔ جبکہ دین سے مراد ہے ایک مکمل نظام جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو۔ گویا مذہب کے مقابلے میں دین ایک بڑی اور جامع حقیقت ہے۔ اس پس منظر میں اگرچہ یہ کہنا تو شاید درست نہ ہو گا کہ اسلام مذہب نہیں ہے، اس لئے کہ مذہب کے جملہ elements بھی اسلام میں شامل ہیں، اس میں عقائد کا عنصر بھی ہے، ایمانیات ہیں، پھر اس کے مراسمِ عبودیت ہیں، نماز، روزہ ہے، حج اور زکوٰۃ ہے، چنانچہ صحیح یہ ہو گا کہ یوں کہا جائے کہ اسلام صرف ایک مذہب نہیں، ایک دین ہے۔

اس میں جہاں مذہب کا پورا خاکہ موجود ہے وہاں یہ ایک مکمل نظامِ زندگی بھی ہے۔ بلکہ اصلاً یہ دین ہے۔

اب اس حوالے سے ایک اہم حقیقت پر غور کیجئے! کسی ایک خطہ زمین میں مذاہب تو بیک وقت بہت سے ہو سکتے ہیں، لیکن دین ایک وقت میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ نظام تو ایک ہی ہو گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سرمایہ درانہ نظام اور اشتراکی نظام کسی خطہ زمین پر یا کسی ایک ملک میں بیک وقت قائم ہوں! حاکمیت (Sovereignty) تو کسی ایک ہی کی ہو گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ملوکیت اور جمہوریت دونوں بیک وقت کسی ملک میں نافذ ہو جائیں۔ نظام ایک ہی رہے گا۔ اللہ کا نظام ہو گا یا غیر اللہ کا ہو گا۔ نظام دو نہیں ہو سکتے، جبکہ ایک خطہ زمین میں مذاہب بیک وقت بہت سے ممکن ہیں ہاں نظاموں کے ضمن میں ایک امکانی صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ ایک نظام غالب و برتر ہو، اور وہی حقیقت میں ”نظام“ کہلائے گا، اور دوسرا نظام سمٹ کر اور سکڑ کر ایک مذہب کی شکل اختیار کر لے اور اس کے تابع زندگی گزارنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ ہے درحقیقت ایک امکانی حالت! میرا ذہن نخل ہو، علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف کہ۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب

اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی!

دین کب مذہب کی شکل اختیار کرتا ہے؟

دین جب مغلوب ہوتا ہے تو ایک مذہب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس صورت میں وہ دین نہیں رہتا، بلکہ مذہب بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ اسلام کے دورِ عروج میں غالب نظام تو اسلام کا تھا، لیکن اس دین کے تابع یہودیت، مجوسیت اور نصرانیت مذاہب کی حیثیت سے برقرار تھے۔ انہیں یہ رعایت دی گئی تھی اور صاف الفاظ میں سنا دیا

یہ بات اس حقیقت سے بہت مشابہ ہے جو ایک کمات کے طور پر بیان کی جاتی ہے کہ دس درویش ایک گدڑی میں گزارا کر سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک سلطنت میں آسٹھے نہیں رہ سکتے!

گیا تھا کہ اگر وہ اسلامی حدود کے اندر رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا ہو گا اور چھوٹے بن کر رہنا ہو گا ﴿يَغْضَوُا الْحِزْبَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ (النوبة : ۲۵) ملکی قانون (law of the land) اللہ کا ہو گا، غالب نظام اللہ کا ہو گا، اس کے تحت اپنے پرسل لاء میں اور اپنی ذاتی زندگی میں محدود سطح پر وہ اگر اپنے مذاہب اور اپنے عقائد و رسوم کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیں تو اس کی انہیں اجازت ہو گی۔ اسلام کے دورِ زوال و انحطاط میں یہ صورت برعکس ہو گئی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس برصغیر میں دین انگریز کا تھا، law of the land اس کا تھا۔ دین انگریز کے تحت اسلام نے سمٹ کر ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی تھی کہ نمازیں جیسے چاہو پڑھو، انگریز کو کوئی اعتراض نہ تھا، اذانیں بخوشی دیتے رہو، وراثت اور شادی بیاہ کے معاملات بھی اپنے اصول کے مطابق طے کر لو، لیکن ملکی قانون انگریز کی مرضی سے طے ہو گا۔ یہ معاملہ تاج برطانیہ کی sovereignty کے تحت ہو گا، اس میں تم مداخلت نہیں کر سکتے! یہ تھا وہ تصور جس کے بارے میں اقبال نے بڑی خوبصورت پھبتی چست کی تھی۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت

ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

یعنی اسلام آزاد کہاں ہے؟ وہ سمٹ سکر اور اپنی اصل حقیقت سے بہت نیچے اتر

کر ایک مذہب کی شکل میں باقی ہے! اللہ اللہ اور خیر سلا۔

نفاذ دین کے بغیر اتمام حجت ممکن نہیں!

دین ہے ہی وہ کہ جو غالب ہو۔ اگر مغلوب ہے تو وہ دین نہیں رہے گا، بلکہ ایک مذہب کی صورت میں سمٹ جائے گا، اور سکر جائے گا، اس کی اصل حیثیت مجروح ہو جائے گی۔ اس پہلو سے غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ نظامی بھی اگر صرف نظری اعتبار سے پیش کیا جا رہا ہو، صرف کتابی شکل میں نسل انسانی کو دیا گیا ہو تو وہ ایک خیالی جنت (utopia) کی شکل تو اختیار کر سکتا ہے، لیکن حجت نہیں بن سکتا۔ نوع انسانی پر حجت وہ صرف اس وقت بن سکتا ہے جب اسے قائم کر کے، نافذ کر کے اور چلا کر دکھادیا

جائے۔ یہ ہے بعثت نبویؐ کی وہ امتیازی شان اور کٹھن ذمہ داری جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر عائد ہوئی کہ آپؐ جو دین حق دے کر بھیجے گئے ہیں اسے پورے نظامِ زندگی پر غالب و قائم اور نافذ و رائج فرمادیں۔ ایک حدیث مبارک میں اس حقیقت کو یوں تعبیر فرمایا گیا کہ ﴿لَتَكُونَنَّ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ تاکہ اللہ کی بات ہی سب سے بلند ہو، اس کی مرضی سب سے بالاتر ہو اور اس کا جھنڈا سب سے اونچا ہو جائے۔

سورۃ المدثر میں اس اہم مضمون کو دو الفاظ میں سمولیا گیا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبُّكَ فَكْبِيرٌ ۝﴾ کہ اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ) کھڑے ہو جاؤ! اگر بست ہو جاؤ، اپنے مشن کی تکمیل کے لئے جدوجہد کا آغاز کرو! اور اس کا نقطہ آغاز کیا ہے؟ انذار۔ خبردار کرو، اُن نیند کے ماتوں کو جگاؤ، جو بھول گئے ہیں اس حقیقت کو کہ اصل زندگی موت کے بعد ہے ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْخَيْرَاتُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، کاش کہ انہیں معلوم ہوتا۔ یہ ہے نبیؐ کے مشن کا نقطہ آغاز! اور اس کا ہدف مقصود اور اس کی غایت قصویٰ کیا ہے؟ ﴿وَرَبُّكَ فَكْبِيرٌ﴾ ”اور اپنے رب کو بڑا کرو!“ تکبیر کے معنی صرف یہ نہیں کہ بڑائی کا اعلان یا اعتراف کر لیا جائے، زبان سے اللہ اکبر کہہ دیا جائے، بلکہ تکبیر سے مقصود یہ ہے کہ اس کی بڑائی نافذ کی ہو جائے، اس کی کبریائی کے اعتراف پر مبنی نظامِ بالفعل قائم ہو جائے، اسی کی بات سب سے اونچی اور اسی کا حکم سب سے بالا ہو۔ یہ ہے تکبیر رب کا حقیقی مفہوم! علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں تکبیر رب کے اس انقلابی تصور کو شعر کا لبادہ اوڑھایا ہے۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل

یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہِ خداست

یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات

اسی مضمون کو کسی قدر ظریفانہ انداز میں یوں بیان کیا۔

پرداز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن

مآذ کی اذال اور مجاہد کی اذال اور

تکبیرِ رب کا کچھ بھی مفہوم حضرت مسیح علیہ السلام کے ان الفاظ میں بھی سامنے آتا ہے کہ
 ”اے رب! جیسے تیری مرضی آسمانوں پر پوری ہوتی ہے ویسے ہی زمین پر بھی پوری ہو۔“

دین حق کا نفاذ انقلابی جدوجہد کا متقاضی ہے

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ سورۃ الصف کی زیر نظر آیت کے حوالے سے نبی اکرم
 ﷺ کا جو مشن سامنے آتا ہے اس کا تقاضا محض دعوت و تبلیغ، بشارت و انذار یا تعلیم و
 تربیت سے ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ اس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ یہ ایک انقلابی مشن ہے۔
 ایک نظام کو کسی معاشرے پر برپا کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ پہلے وہاں پر موجود نظام کو
 جڑوں سے اکھیڑا جائے۔ یہ کام خلا میں کیا جانے والا نہیں ہے۔ جہاں بھی دین حق کے نفاذ
 کی جدوجہد کی جائے گی کوئی نہ کوئی نظام وہاں پہلے سے موجود ہو گا۔ اس باطل نظام کے
 ساتھ لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں گے۔ سیادتیں اور چودھرائیں ہوں گی، لوگوں کے
 مالی مفادات ہوں گے۔ آپ جب اس نظام کو ذرا سا چھیڑیں گے، اس کے خلاف ذرا
 آواز بلند کریں گے تو نہ معلوم کس کس کے کن کن مفادات پر آنچ آئے گی! چنانچہ وہ
 تمام قوتیں اپنے اس نظام کی مدافعت میں آپ کے خلاف متحد ہو جائیں گی کہ ص
 ”نظامِ کمنہ کے پاسبانو“ یہ معرض انقلاب میں ہے!“

اپنے نظام کو برقرار رکھنے اور اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر وہ سب مجتمع ہو کر
 آپ کے خلاف صف آراء ہو جائیں گے۔ تصادم، کشمکش اور جہاد و قتال کا مرحلہ لازماً آ کر
 رہے گا۔ چنانچہ اس مقصد بعثت کے اعتبار سے جو سورۃ الصف کی اس آیت میں محمد رسول
 اللہ ﷺ کی بعثت کے لئے معین ہوا ہے، انقلابی جدوجہد لازم اور ناگزیر ہے۔ یہ محض
 دعوت و تبلیغ سے ہونے والی بات نہیں!

اگرچہ سورۃ الجمعہ کے حوالے سے اگلے درس میں یہ بات آئے گی کہ اس انقلابی
 جدوجہد کا منبع اساسی یقیناً دعوت و تبلیغ ہے، اس کے ابتدائی مراحل میں یقیناً تعلیم بھی

ہے، تربیت بھی ہے اور تزکیہ بھی ہے، لیکن ان ابتدائی اور اساسی مراحل سے بلند تر سطح پر ایک انقلابی جدوجہد بھی ناگزیر ہے۔ ایک تصادم کہ جس میں کشت و خون کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں جہاں ہمیں دعوت و تبلیغ کا مرحلہ نظر آتا ہے وہاں جہاد و قتال کے مراحل بھی آئے۔ حنین کی وادی میں آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے اپنے لشکر کی کمان کرتے اور آگے بڑھتے نظر آتے ہیں ”أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ“ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ“ یہ وہ بات ہے جو ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی جنہوں نے حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کی اس منفرد اور امتیازی شان کو نہیں سمجھا کہ آپ صرف داعی اور مبلغ نہ تھے، آپ محض مبشر اور نذیر نہ تھے، آپ صرف مزکی، مربی اور معلم نہ تھے، آپ تاریخِ انسانی کے عظیم ترین انقلاب کے داعی اور نقیب بھی تھے۔ کون انکار کر سکتا ہے اس حقیقت سے کہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا فرمایا، جس نے زندگی کے ہر گوشے کو بدل کر رکھ دیا۔ ایسا ہمہ گیر انقلاب جس نے لوگوں کے افکار بدلے، عقائد بدلے، نظریات بدلے، کردار بدلے، حتیٰ کہ لوگوں کے شب و روز کے انداز اور نشست و برخاست کے طریقے بدل گئے۔ وہ قوم کہ جس کے اندر کوئی کسی کی بات سننے والا نہ تھا، انتہائی منظم قوم بن گئی۔ اس معاشرہ نے کہ جہاں پڑھنے لکھنے والے لوگ انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھے، دنیا کو معلم فراہم کیے۔ نبی اکرم ﷺ نے نوعِ انسانی کو ایک نئی تہذیب اور ایک نیا تمدن عطا کیا۔ بلاشبہ یہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت کا یہ پہلو کہ آپ عظیم داعی انقلاب تھے، درحقیقت آپ کے اس فرضِ منصبی کا تقاضا ہے جو ان الفاظِ مبارکہ میں بیان ہوا ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾

”اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری!“

مساتما گاندھی کے بارے میں غالباً جارج برنارڈ شا نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے کہ :

”He is a saint among politicians and a politician among saints“

اگرچہ ”چہ نسبت خاک را با عالم پاک“ کے مصداق ان الفاظ کی یا ان جیسے الفاظ کی

کوئی ذور کی نسبت بھی آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے نہیں ہو سکتی۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ سیرت نبویؐ کے فہم کے لئے شاید اگر یوں تعبیر کیا جائے تو بات غلط نہ ہوگی کہ :

"He was a revolutionary among prophets and a prophet among revolutionaries"

یعنی نبیوں اور رسولوں میں آپ کی امتیازی شان یہ ہے کہ آپ ایک عظیم انقلابی رہنما ہیں، اور انقلابی رہنماؤں میں آپ کی منفرد شان یہ ہے کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ نے صرف دعوت و تبلیغ کا کام نہیں کیا بلکہ اس دعوت کی بنیاد پر ایک انقلاب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے سے کام کا آغاز کیا اور کل ۲۳ برس میں اس جدوجہد کو ایک نظام کے باقاعدہ قیام اور باضابطہ نفاذ کے تکمیلی مرحلے تک پہنچا دیا۔ اگرچہ یہ امر واقعہ ہے کہ اس جدوجہد میں آپ کو ان تمام مراحل سے گزرنا پڑا جو کسی بھی انقلابی جدوجہد میں آتے ہیں۔ زمین پر قدم بقدیم چل کر حضور ﷺ نے وہ مرحلے طے کیے۔ آپ کو فقر و فاقے کی صعوبت بھی برداشت کرنا پڑی، شعب بنی ہاشم میں تین سال کی قید کو ذہن میں لائیے کہ جس میں وہ وقت آیا کہ فقر و فاقے کی شدت سے بنی ہاشم کے دودھ پیتے بچے بلک رہے تھے اور ان کے کھانے کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی، سوائے اس کے کہ سوکھے چمڑوں کو اُبال کر اس کا پانی ان کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ طائف میں شدید پتھراؤ کا آپ ﷺ کو سامنا کرنا پڑا۔ مکے کی گلیوں میں آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ یہ منظر بھی چشم فلک نے دیکھا کہ آپ ﷺ سربسجود ہیں اور ایک شقی انسان عقبہ بن ابی معیط ابو جہل کے کہنے سے اٹھتا ہے اور اونٹ کی نجاست بھری اوجھری لاکر شانہ مبارک پر رکھ دیتا ہے۔ پھر غار ثور کا مرحلہ بھی آیا۔ میدان بدر کا وہ نقشہ بھی ذہن میں لائیے کہ اللہ کا رسول دونوں لشکروں کے درمیان گھاس پھوس کی ایک جھونپڑی میں سربسجود ہے اور اللہ سے گڑگڑا کر نصرت کی درخواست کر رہا ہے۔ پھر احد کا سخت مرحلہ بھی آیا۔ آپ کے دندان مبارک شہید اور چہرہ انور لہولہان ہو گیا ہے۔ آپ پر کچھ دیر کے لئے غشی طاری ہو جاتی ہے۔ آپ کے

انتہائی جاں نثار ساتھی حضرت معصوب بن عمیرؓ کا لاشہ بے گور و کفن پڑا ہے کہ جسم پر موجود چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر کو ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کو ڈھانپتے تو سر کھل جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ اسی میدانِ احد میں آپ کے انتہائی قریبی عزیز حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا اعضاء بریدہ لاشہ پڑا ہوا ہے۔ حضور ﷺ کے قلبِ مبارک کی جو کیفیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچنے پر جب آپ نے دیکھا کہ گھر گھر سے رونے کی آوازیں آرہی ہیں، شہداء پر ان کی رشتہ دار خواتین بین کر رہی ہیں، تو حضور ﷺ کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ آگئے: «أَمَّا حَمْرَةَ فَلَا بَوَّابِي لَهَا» ”ہائے حمزہ کے لئے تو کوئی رونے والی بھی نہیں۔“ یہ تمام صدمے حضور ﷺ نے دیکھے اور یہ سب سختیاں جھیلی ہیں، تب یہ انقلاب آیا ہے۔ گویا ”اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری“ کے مصداق اس عظیم انقلابی جدوجہد میں نبی اکرم ﷺ کو ان تمام مراحل اور مشکلات و موانع کا سامنا کرنا پڑا جو دنیا کی کسی بھی انقلابی جدوجہد میں پیش آتے ہیں۔ ہر کیف یہاں صرف اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ بعثت محمدیؐ کی یہی امتیازی شان ہمارے سامنے رہنی چاہئے جو اس آیت میں بیان ہوئی کہ: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ پورے کے پورے دین (نظامِ اطاعت) پر اس دینِ حق کو غالب و قائم کر دینا یہ ہے بعثت محمدیؐ کی غرض و غایت!

دو چشم کشا واقعات

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ یہ چیز بعثت انبیاء کے اساسی مقصد سے جدا نہیں ہے۔ دیکھئے، بعثت انبیاء کا اصل مقصد نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت ہے۔ اور یہ اسی اتمامِ حجت کا تکمیلی مرحلہ ہے کہ انسان کو اجتماعی نظام کے ضمن میں رہنمائی کے لئے عدل و قسط پر مبنی نظام کا ایک مکمل نمونہ دکھا دیا جائے۔ صرف نظری سطح پر پیش کر دینے سے وہ حجت مکمل نہیں ہو گی، بلکہ اتمامِ حجت کے لئے ضروری ہو گا کہ اس نظام کو بالفعل قائم و نافذ کر کے اور عملاً چلا کر دکھا دیا جائے۔ اس معاملے کی اہمیت کا حوالہ رواں صدی کے دو واقعات کے

حوالے سے کیا جاسکتا ہے۔ جب ہندوستان میں پہلی بار مختلف صوبوں میں کانگریس کی حکومتیں بنی تھیں اُس وقت یاد ہو گا کہ گاندھی نے اپنے کانگریسی ساتھیوں اور زعماء کے سامنے ایک عجیب بات کہی تھی، اور وہ یہ کہ ”میں اس موقع پر تمہارے سامنے حضرت ابو بکر (ؓ) اور حضرت عمر (ؓ) کی مثال رکھتا ہوں، اس مثال کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو!“ غور کیجئے گاندھی نے یہ بات کیوں کہی! اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس عہدِ جدید کے انسان کو جس نوع کے اجتماعی نظام کی ضرورت ہے اس نظام کا ایک کامل نقشہ اور ایک مکمل ماڈل اگر درکار ہے تو اس کی نظیر تاریخِ انسانی میں صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے دورِ خلافت راشدہ، یعنی وہ نظامِ عدلِ اجتماعی جو قائم فرمایا تھا محمد عربیؐ نے۔

ایک دوسرا واقعہ جو اس کے دوسرے رخ پر روشنی ڈال رہا ہے، مولانا عبید اللہ سندھی کے حوالے سے ہے۔ اس واقعے سے دینِ حق کے قیام و نفاذ کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ مولانا سندھی جب شیخ الحدیث مولانا محمود الحسنؒ کی ریشمی رومالوں کی تحریک کے سلسلے میں ہندوستان چھوڑ کر افغانستان گئے، اور جب افغانستان سے بھی گرفتاری کے خطرے کے پیش نظر سرحد عبور کر کے انہیں روس جانا پڑا تو اُس وقت بالشویک انقلاب ابھی نیا نیا آیا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس موقع پر انقلاب کے مرکزی رہنماؤں کے سامنے اگر اسلام کا انقلابی پروگرام رکھا جائے تو کیا عجب کہ وہ اس کو قبول کر لیں، ابھی ان میں انقلابی جذبہ بھی ہے اور انقلاب کے نقطہ نظر سے فضا سازگار بھی ہے۔ چنانچہ اس امید میں انہوں نے لینن سے بات کرنا چاہی، لیکن لینن بستر مرگ پر تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ ٹرائسکی سے بات کیجئے، چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی کی ٹرائسکی سے مفصل گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے آخر میں اس نے پوچھا کہ مولانا! یہ نظام جو آپ پیش کر رہے ہیں بظاہر بہت عمدہ معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا آپ نے دنیا میں کہیں اسے قائم بھی کیا ہے؟ مولانا عبید اللہ سندھی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری نگاہیں زمین میں گڑی کی گڑی رہ گئیں، دوبارہ میں اس سے آنکھیں چار نہیں کر سکا۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی نظام حجت تب بنتا ہے جب اسے چلا کر دکھایا جائے۔ نبی اکرمؐ نے اس اتمامِ حجت کو اپنے تکمیلی درجے تک پہنچا دیا۔ آپ نے جہاں نظری، فکری اور اعتقادی ہدایت دی، انسان کی سوچ کو صحیح رخ پر

ڈالا، جہاں آپ نے انفرادی اخلاق کے ضمن میں انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے ایک مکمل ہدایت نامہ عطا فرمایا، خود اپنی سیرت و کردار اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و کردار کو اس رخ پر ڈھال کر انفرادی اخلاق کے ضمن میں ہمیشہ ہمیش کے لیے نوع انسانی پر حجت تمام کی، وہاں آپ نے ایک جاں گسل جدوجہد کے ذریعے تیس سالہ محنتِ شاقہ کے نتیجے میں اس نظامِ عدل و قسط کو عملاً برپا کر دیا جس میں انفرادی آزادی بھی ہے، لیکن اجتماعیت کے حقوق بھی پورے طور پر محفوظ ہیں، جس میں مساواتِ انسانی بھی ہے، لیکن وہ freedom کی cost پر نہیں کہ مساوات تو ہو لیکن انسان شخصی آزادی سے یکسر محروم کر دیا جائے، بلکہ یہ دونوں اعلیٰ اقدار اس نظام میں بیک وقت موجود ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جس اعلیٰ قدر کا تصور کرے گا اسے وہ اس نظام میں موجود پائے گا۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

ہر کجا بنی جہانِ رنگ و بو

آنکہ از خاش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

یہ ہے اصل کارنامہ حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کو سمجھنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی اس امتیازی شان کا فہم ضروری ہے جو اس آیہ مبارکہ میں وارد ہوئی: ﴿هُوَ الَّذِي أَوْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾
وَاجْرِدُوا نَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

قرآن اکیڈمی کراچی کانیا ای میل ایڈریس

رفقاء و احباب نوٹ فرمائیں کہ قرآن اکیڈمی کراچی کانیا ای میل ایڈریس

درج ذیل ہے:

quran@khi.fascom.com

عالمی سیاست اور علامہ اقبال کی پیشین گوئیاں

تحریر: محمد منیر صدیقی

امریکہ، یورپ اور معاشی طور پر آسودہ ممالک ایک نئے عہد میں داخل ہو رہے ہیں جسے ”عہدِ اطلاع“ (Information age) اور مابعد صنعت دور (Post-industrial era) کا نام دیا گیا ہے۔ مستقبل دان الون ٹوفلر نے اس پیش رفت کو تیسری لہر (Third Wave) کا نام دیا ہے^(۱)۔ بقول اس کے پہلی لہر نے انسان کو شکار اور غذا کی تلاش میں سرگرداں حیوان کے دائرے سے نکال کر کاشت کار کے درجے تک پہنچایا، جس میں اس نے زمینوں کو آباد اور بستیوں کو بسانا شروع کیا، اور خانہ بدوشی کی زندگی ختم کی۔ پھر دوسری پیش رفت زرعی معاشرے سے صنعتی معاشرے کی طرف ہوئی، جب کارخانے اور بڑے بڑے شہر وجود میں آئے اور مشینی دور نے رسل و رسائل میں انقلاب پیدا کر کے ”صنعتی انقلاب“ کی طرح ڈالی۔ اور اب ہم تیسری لہر کے شانے پر ہیں، جو ایک بالکل نئی معاشرت اور نئے طرز فکر کو جنم دے رہی ہے۔ وہ آگے رقم طراز ہے کہ اب صنعتی معاشرے کے بجائے ”اطلاعی معاشرہ“ جنم لے رہا ہے۔ اطلاعات کی جلد اور باسولت ترسیل آسان سے آسان تر ہوتی جا رہی ہے، اور اس کے ساتھ ہی قومی حدود اور مقامی ثقافتوں کی حد بندیاں ٹھکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہوتی جا رہی ہیں، اور وہ ہے ”اطلاعی معاشرہ“۔ گویا ایک بالکل نئی دنیا (جہان نو) ظہور پذیر ہو رہی ہے، جس کے خدو خال سے ہمارے آباء و اجداد واقف نہ تھے اور اس کا شعور ہمیں بھی رفتہ رفتہ ہی ہو رہا ہے۔

فرانس فوکویاما، جو ایک جاپانی نژاد امریکی ماہر عمرانیات ہے، دنیا کے اس بدلتے ہوئے موسم پر گہری نظر رکھتا ہے۔ حال ہی میں اس کی تازہ تصنیف ”انتشارِ عظیم“ (The Great Disruption) شائع کردہ: پروفائل بکس لندن، 1999ء) نے ایک

مرتبہ پھر سماجیات، سیاسیات، معاشیات اور بین الاقوامی تعلقات کے علماء کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ جس اطلاعی معاشرے کی ہم بات کر رہے ہیں فوکویاما بھی اس کے منصف و وجود میں آنے سے کچھ پریشان محسوس ہوتا ہے، مگر وہ خود اعتماد بھی ہے۔

فوکویاما کے نزدیک ”اطلاعی معاشرہ“ دو ایسے رجحانات کا سبب بنتا ہے جنہیں آج کے نام نہاد جمہوری دور میں لوگ بہت اہمیت دیتے ہیں: (یعنی) آزادی اور مساوات۔ فوکویاما آگے چل کر آزادی و مساوات کے نتیجے میں امریکہ، یورپ اور ترقی یافتہ ممالک میں فرد، خاندان اور معاشرہ میں پیدا ہونے والے انتشار و انحطاط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”بیسویں صدی کے نصف آخر میں شروع ہونے والی یہ تبدیلیاں تدریجی نہیں بلکہ ڈرامائی انداز کی تھیں (اور ان کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے) اور اگرچہ گزشتہ دو ڈھائی صدیوں سے صنعتی انقلاب کے بعد ہی سے سماجی شکست و ریخت کا عمل (جسے اقبال نے -

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت

احساسِ مرّت کو پکل دیتے ہیں آلات!

قرار دیا تھا) محسوس طور پر نظر آنے لگا تھا، تاہم بیسویں صدی کے نصف آخر میں صنعتی ملکوں میں صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا یہ عمل اس تیزی کے ساتھ واقع ہوا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اقدار کی اس شکست و ریخت اور معاشرے کے اس انتشار کو وہ ”انتشارِ عظیم“ (The Great Disruption) کا نام دیتا ہے۔

فوکویاما کے نزدیک ترقی یافتہ امریکی و یورپی معاشروں، معاشرتی اقدار اور خاندان کے نظام کی تباہی کی بڑی وجہ مادر پدر آزادی و مساوات کا وہ نعرہ ہے جس کے تحت فرد کو ہر طرح کی گھٹن پیدا کرنے والی، غیر ضروری سماجی قیود و حدود سے آزاد ہونا چاہئے۔ مغرب میں 1960ء کے عشرے سے شروع ہونے والے جنسی انقلاب ”حریت نسواں“ کی تحریک، مرد اور عورت کے لئے جنس کی آزادی کی تحریک اسی ”آزادی کے مرض“ کی علامتیں ہیں، جن کا نعرہ ہے لاقیود (No limits) (۲)۔ اپنی تازہ تصنیف (1999ء) میں اسے تشویش اس بات پر ہے کہ موجودہ جمہوری نظام آزادی کے نتیجے میں حد سے

متجاوز انفرادیت اور خود غرضانہ رویوں کی طرف لے جا رہا ہے اور اس کے سب سے بڑے مظاہر امریکہ میں نظر آتے ہیں جو سب سے زیادہ ”فرد دوست“ جمہوریت ہے (۳)۔ فوکویاما اپنے تجزیہ میں کہتا ہے کہ موجودہ جمہوری نظام میں مذہب کو سیاست سے الگ رکھا گیا ہے۔ اس طرح وجود میں آنے والے سیاسی نظام کے لئے ضروری نہیں کہ لوگ فضائل اخلاق سے متصف ہوں (یعنی اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہوں)۔ اور انفرادی آزادی، فرد اور انفرادیت پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کا نتیجہ اجتماع کے۔ زوال کا باعث بنتا ہے۔ معاشرہ مشترکہ اقدار، اجتماعی ضمیر اور اجتماعی آرزوؤں، امنگوں اور مقاصد سے وجود میں آتا ہے۔ یہ مشترکہ اقدار جتنے مضبوط ہوں گے معاشرتی بندھن بھی اس قدر مستحکم ہوں گے۔ ماں باپ اور اولاد کا رشتہ جس کے استحکام پر اسلام سب سے زیادہ زور دیتا ہے، مغرب میں بہت کمزور ہو چکا ہے۔ اسی طرح روایتی ازدواجی تعلق کے بجائے ”ساتھ رہنے“ کا رواج بڑھتا جا رہا ہے (۴)۔ وہ معاشرہ جو اپنی فنیاتی اور تکنیکی اختراع اور تازہ کاری (Technological innovation) میں ”لاقیود“ کا نعرہ لگاتا ہے، ذاتی رویوں کی بہت سی صورتوں میں ہر قید و بند سے آزاد ہو جانے کا رجحان رکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں مآل کار جرائم میں اضافے، خاندان کی ٹوٹ پھوٹ، والدین کا اپنے بچوں کی ذمہ داریوں سے دست کش ہو جانا، ہم سایوں کی باہمی بے اعتنائی اور عدم دلچسپی اور شریوں کا عوامی مسائل سے لاتعلق ہو جانا بھی وہ اثرات ہیں جو فی الواقع ہو کر رہتے ہیں (۵)۔

وہ کہتا ہے کہ سماجی اقدار کی تباہی کے بعد لازمی طور پر ان کی تعمیر نو کا ایک نیا سامان پیدا ہوتا ہے۔ اور اسے اس کے آثار بھی نظر آرہے ہیں۔ اس کے خیال میں ایسا ہونا لازمی بھی ہے۔ انسان بنیادی طور پر ایک سماجی مخلوق ہے۔ انسانوں کی بنیادی جبلتیں اور محرکات انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس کے لئے کچھ اخلاقی قواعد و ضوابط تشکیل دیں جو انہیں باہم جوڑ کر رکھیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ انسان ایک عاقل مخلوق ہے اور یہ اس کی عقل ہی ہے جو اسے اپنی نوع کے دوسرے افراد سے تعاون کے نئے طریقے سمجھاتی اور بچھاتی ہے (۶)۔ تاہم انسان کو اپنی نجات

کے لئے اپنی عقل، فہم اور تجربات سے ماورا کسی اور مابعد الطبیعیاتی یا مذہبی ہدایت اور رہنمائی کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ (۷)

الون ٹولفر اور فوکویاما کے افکار کا تجزیہ کرنے سے یہ نکات سامنے آتے ہیں :

(۱) دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے جسے تیسرا دور یا تیسری لہر کا نام دیا گیا ہے۔ اس جہانِ نو کو اطلاعی معاشرہ قرار دیا گیا ہے جس میں دنیا سکر کر ایک عالمی گاؤں (Global village) بن گئی ہے۔

(۲) تہذیب حاضر زوال کی طرف مائل ہے۔ لاقیود آزادی اور مساوات کا نعرہ مغرب کے سیاسی اور معاشرتی نظام کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار ہے۔

(۳) انسان ایک سماجی اور عاقل مخلوق ہے، اس لئے وہ اس بحران سے نکلنے کے لئے اپنی عقل و فہم اور تجربات کو استعمال کرے اور مذہب سے لاتعلق رہے۔

یہ ہمارا احساسِ کمتری ہے کہ مغرب کا کوئی بھی دانشور یا رہنما کوئی بات کہتا ہے تو ہم اسے بڑی توجہ دیتے ہیں اور اس کے افکار و خیالات کو بلا کسی حیل و حجت حرفِ آخر تسلیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً فرانس کے مشہور منجم اور شاعر نو سٹراڈیمس (1503ء-1566ء) کو ہم دنیا کا عظیم ترین منجم تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ اس کی حیات میں اس کی بعض پیشین گوئیاں حرفِ بحرف درست ثابت ہوئیں تھیں۔ اس نے دنیا کے مستقبل کے بارے میں اپنی پیشین گوئیوں کو اشعار کی شکل میں پیش کیا۔ اس کا یہ مجموعہ کلام یکم مارچ 1555ء کو شائع ہوا۔ حال ہی میں اس کے اشعار میں دنیا کے مستقبل کے بارے میں کی گئی پیشین گوئیوں کو پاکستان سمیت عالمی میڈیا نے بہت اہمیت دی اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نو سٹراڈیمس ہی دنیا کا عظیم ترین شاعر اور مستقبل دان تھا، باوجودیکہ اس کی کتاب کو شائع ہوئے ساڑھے چار سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن کسی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس کا اصلی مجموعہ کلام تھا یا نہیں؟ کسی نے اس بارے میں کوئی سند نہیں مانگی، کسی نے نہیں پوچھا کہ اس کی عملی زندگی کتنی پاکیزہ تھی؟ کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ اس کی پیشین گوئیوں کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق معنی و مفہوم دے کر اسے عظیم ترین دانشور اور شاعر بنا کر کیوں پیش کیا جا رہا ہے؟ لیکن اگر کوئی

مسلمان دانشور، شاعریا اسکالر دنیا کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات و افکار پیش کرے تو اس پر فوراً انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں اور اسے وہ مقام نہیں دیا جاتا جو مغربی علماء کو بلاچون و چرا دے دیا جاتا ہے۔ اس متعصبانہ رویہ کا اظہار مغربی میڈیا میں شدت سے نظر آئے گا، لیکن مسلم میڈیا بھی کسی نہ کسی حد تک اس جرم کا مرتکب ہوتا رہا ہے۔

حکیم الامت، شاعر مشرق حضرت ڈاکٹر علامہ شیخ محمد اقبال ایک سچے عاشق رسولؐ اور مرد مؤمن تھے، جس کا اظہار ان کی عملی زندگی اور افکار سے ہوتا ہے۔ وہ پوری امت کا درد اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اقبال کی عظمت کا اعتراف کرنے والوں میں صالح سوچ رکھنے والے مسلم و غیر مسلم دانشور رہنما، علماء کرام اور اسکالر سب ہی شامل ہیں۔ صدی کی عظیم تحریک اسلامی کے قائد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اقبال کی شخصیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

”مغربی تعلیم و تربیت کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدرہار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس کی تمہ میں جب پہنچا تو دنیائے دیکھا کہ وہ جو کچھ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔“

آگے مولانا مودودی رقم طراز ہیں کہ :

”اقبال کو قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، نماز بھی بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے، مگر چھپ کر۔ ظاہر میں یہی اعلان تھا کہ نرا گفتار کاغازی ہوں۔“ (۸)

رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ ”مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے“ اور اقبال یہ کہتے ہیں کہ -

تقدیرِ ام کیا ہے ؟ کوئی کہہ نہیں سکتا

مؤمن کی فراست ہو تو کافی ہے اشاراً!

یہ ہماری کوتاہ نظری و بد نصیبی ہے کہ ہم نے اقبال کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا جس کے

وہ مستحق تھے۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان میں ایک ایسا متعصب طبقہ بھی موجود ہے جو انہیں متنازعہ بنانے میں کسی اخلاقی حدود و قیود سے بے پروا ہو کر اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ اور بقول اقبال -

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

اب مغربی میڈیا الون ٹوکلر اور فرانس فوکویاما کے افکار و نظریات کا پرچار کر کے انہیں دنیا کے عظیم مستقبل دان کے طور پر پیش کر رہا ہے، لیکن اقبال پر کسی کی نظر نہیں، جس نے اپنے افکار و خیالات اسی صدی میں پیش کئے اور جو اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔

اقبال بانگِ درا میں قیامِ یورپ (1905ء-1908ء) کے دوران لکھی گئی اپنی نظم

میں رقم طراز ہیں کہ -

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا

سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا!

گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے

بنے گا سارا جہاں میخانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا!

اس شعر میں اقبال واضح طور پر آنے والے ایک ایسے دور کی نشاندہی کر رہے ہیں

جس میں کوئی بات پوشیدہ نہ رہ سکے گی، حتیٰ کہ کوئی عاشق جب چاہے گا اپنے محبوب کا

دیدار کر سکے گا۔ سیٹلائٹ، ٹی وی نشریات، ویڈیو ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کا استعمال اقبال کی

پیشین گوئی کو حرف بحرف درست ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ موجودہ دور انفارمیشن سپر ہائی

وے کا ہے جس کا مطلب ہے جو چاہے اس ہائی وے پر آئے، دعوت عام ہے، جس چیز کا

دیدار کرنا چاہے کرے اور اگر اپنا دیدار کرنا چاہے تو یہ بھی ممکن ہے، یعنی اس ہاتھ دے

اس ہاتھ لے کا معاملہ بھی کر سکتا ہے۔ انفارمیشن سپر ہائی وے کی سب سے نمایاں

خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں، سب کچھ بے حجاب (naked) ہے،

کیونکہ یہ شاہراہِ اطلاعات ہے، سرنگِ اطلاعات (Information Tunnels) نہیں جو

انتہائی حساس معلومات کو محفوظ رکھنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

دوسرے شعر میں اقبال اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جس میں پوری دنیا سمٹ کر ایک چھوٹا سا میخانہ بن جائے گی جو ہر شخص کی دسترس میں ہو گا۔ یعنی جو کام پہلے چھپ کر کیا جاتا تھا آنے والے دور میں مخفی نہیں رہے گا اور بڑائی کو بڑائی نہیں سمجھا جائے گا۔ ہر کوئی کسی نہ کسی سطح پر برائی میں ملوث ہو گا۔ یہاں اقبال دنیا کو سمیٹ کر ایک چھوٹا سا میخانہ (Global Bar) بنا رہے ہیں جو واضح طور پر موجودہ اطلاعی معاشرہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہو گئی ہے۔ (یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ اب دنیا بھر میں جگہ جگہ ”انٹرنیٹ کیفے“ اور ”انٹرنیٹ بار“ کھولے جا رہے ہیں جو اقبال کی پیشین گوئی کے عین مطابق ہے) سیٹلائٹ، ٹی وی نشریات اور انٹرنیٹ کی بدولت دنیا بھر کی تعمیر اور تخریبی معلومات انفارمیشن سپر ہائی وے پر ”حالت بے تجاہلی“ (OPEN AND UNSECURE STATE) میں ہر شخص کی دسترس میں ہے۔ اس طرح بقول اقبال اب کسی کو ”میخانہ“ کی تلاش میں اپنے وطن اور اپنے گھر سے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تھوڑا تدبیر کیا جائے تو اقبال نے میخانہ کو یہاں ایک استعارہ کے طور پر استعمال کیا ہے جو ہمارے اردو شعراء کرام کا خاصہ رہا ہے۔ حقیقت میں یہاں میخانہ سے یہ مطلب بھی ہے کہ ایسی جگہ جہاں سے کوئی طالب اپنی کوئی ضرورت، خواہش اور طلب پوری کرے۔ یہ طلب علمی بھی ہو سکتی ہے اور مادی بھی، مثبت بھی اور منفی بھی۔ اور جب صورت حال یہ ہو کہ سارا جہاں ہی میخانہ بن جائے تو پھر وہ لوگ جو اب تک اپنی طلب کہیں دور جا کر چھپ کر پوری کر لیا کرتے تھے اب سرعام بلکہ شاہراہ عام پر کسی بھی جگہ پوری کر سکیں گے۔ اور جب یہ حجاب ہی نہ رہے گا اور آسانی پیدا ہوگی تو ”بادہ خواروں“ کی تعداد بھی یقیناً بڑھے گی اور ”مئے خواری“ عام ہوگی۔

اسلامی بلاک اور اقبال

اقبال اُمتِ مسلمہ کی یکجہتی اور اتحاد کے اولین اور سب سے بڑے داعی ہیں۔ وہ

کہتے ہیں کہ ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر!

اقبال اسلامی بلاک کو سورج، آفتاب اور خورشید سے تشبیہ دیتے ہیں جو ان کی نظر میں

طلوع ہو رہا ہے ۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ!

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

بانگِ درامیں اقبال فرماتے ہیں کہ ۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے

یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے!

بالِ جبریل کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے کہ ۔

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں!

نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں!

۱ امریکہ، برطانیہ اور اقبال

اقبال نے اپنے اشعار میں امریکہ کے لئے ستاروں کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ سب

جانتے ہیں کہ دنیا میں امریکہ ہی وہ واحد ملک ہے جس کے پرچم پر ستاروں کی تعداد سب

سے زیادہ ہے جو اس کی ریاستوں کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ امریکہ کے لئے انہوں نے

”ایلیس“ کا استعارہ بھی استعمال کیا ہے (ایران میں امریکہ کے لئے ”مرگ بر شیطان“ کا

نعرہ بھی لگایا جاتا ہے)۔ اور برطانیہ کے لئے ’فرنگ‘ اور ایلینس کے مشیر کے الفاظ

استعمال کئے ہیں۔ وہ یہ پیشین گوئی بھی کرتے ہیں کہ اسلامی بلاک [جو دنیا کے نقشہ

(globe) پر ایک کمان (arc) کی شکل بناتا ہے اور ابھرتے ہوئے آفتاب کی مانند نظر آتا

ہے] کے آثار ظاہر ہونے کے ساتھ ہی عالمی طاقت امریکہ کا زوال (تک تابی) شروع ہو

جائے گا۔ اقبال کہتے ہیں ۔

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنگ تابی
 افق سے آفتاب ابھرا؛ گیا دورِ گراں خوابی
 اسلامی احیاء کی تحریک اُس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک پوری دنیا سے
 ظلمتِ شب ختم نہ ہو جائے۔ اقبال کو اس کا اچھی طرح ادراک ہے۔ وہ مسلمانانِ ہند سے
 کہتے ہیں کہ برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ منزل حاصل کر
 لی، بلکہ ابھی برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد تجھے اپنے مشن کی تکمیل
 کے لئے امریکہ تک جانا ہے۔

فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مؤمن

قدم اٹھا! یہ مقام انتائے راہ نہیں!

وہ جوانوں (یہاں لفظ ”جوانوں“ کو پاکستان کی عسکری اصطلاح کے طور پر رائج معنی بھی
 دیئے جاسکتے ہیں) کی خودی کو یہ کہہ کر بیدار کرتے ہیں کہ۔

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کند

۔ ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہیں ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اقبال نو جوانوں کو بیدار کرنے کے لئے دعاگو ہیں۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے

پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

۔ جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے

مرا عشقِ میری نظر بخش دے

۔ اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی

ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

ضربِ کلیم میں نظم ”ابلیس کی مجلسِ شوریٰ“ میں پانچواں مشیر ابلیس سے یوں ہم کلام ہوتا ہے ۔

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار

تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار!

امتِ مسلمہ میں بیداری کی لہر اور اسلامی بلاک کا ظہور ہوتے دیکھ کر پانچواں مشیر ابلیس سے یوں گویا ہوتا ہے ۔

چھا گئی آشفقت ہو کر وسعتِ افلاک پر

جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشیتِ غبار!

۔ فتنہٴ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج

کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جونہار!

آخری شعر میں اقبال امریکہ کے واحد سپر پاور ہونے اور دنیا کے یک قطبی (unipoler) ہونے کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس شعر کے آخری مصرع میں انہوں نے ایک لفظ استعمال کیا ہے ”مدار“ یعنی وہ راستہ جس پر زمین گردش کرتی ہے۔ کیونکہ دنیا اب فقط امریکی قیادت و سیادت کے گرد گھوم رہی ہے اس لئے اقبال بزبانِ مشیر کہتے ہیں کہ ۔

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے

جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار!

اقبال نظم ”مسجدِ قرطبہ“ میں کہتے ہیں ۔

آپ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی

دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

عالمِ نو ہے ابھی پردہٴ تقدیر میں

میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

پردہ اٹھا دوں اگر چہرہٴ افکار سے

لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
بال جبریل میں علامہ فرماتے ہیں ۔

حادثہ وہ جو ابھی پردہٴ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینہٴ ادراک میں ہے!
نہ ستارے میں ہے، نے گردشِ افلاک میں
تیری تقدیر مرے نالہ، بیباک میں ہے!
کیا عجب! مری نواہائے سحر گاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے!

اقبال بانگِ درا کی نظم ”تصویرِ درد“ میں فرماتے ہیں ۔

مجھے رازِ دو عالمِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے!
عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بامِ عرش کے طائر ہیں میرے ہمزبانوں میں!
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنونِ فتنہ ساماں کا
مرا آئینہٴ دل ہے قضا ہے کہ رازدانوں میں!

حضرت اقبال کے اردو مجموعہٴ کلام بانگِ درا، ضربِ کلیم اور بالِ جبریل کے گہرے
مطالعہ کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان کا کلام الہامی رنگ و نور میں ڈوبا ہوا
ہے۔ تہذیبِ حاضر کے زوال، جہانِ نو کے پیدا ہونے اور اسلام کی نشاۃٴ ثانیہ کے بارے
میں انہوں نے جو پیشین گوئیاں کیں وہ اب حرفِ بحرف پوری ہو رہی ہیں۔ 1930ء میں
خطبہ الہ آباد میں اقبال برصغیر میں ایک مسلم ریاست (پاکستان) کے قیام کی پیشین گوئی
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

”ہندوستان کے شمال مغرب (پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد) میں ایک آزاد
مسلم ریاست کا قیام تقدیرِ مبرم (DESTINY) ہے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں

ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرہ منور پر جو پردے عرب ملوکیت
(ARAB IMPERIALISM) کے دور میں پڑ گئے تھے، انہیں ہٹا کر اصل
اسلام (خلافت راشدہ کے نظام) کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔"

اور دنیا نے دیکھا کہ ان کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ مشرقی پاکستان
کی علیحدگی کے بعد موجودہ پاکستان جن علاقوں پر مشتمل ہے وہ علامہ کی پیشین گوئی کے عین
مطابق ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اقبال نے کشمیر کو پاکستان کا حصہ بنانے کی کبھی بات
نہیں کی، البتہ انہوں نے کشمیر کو سکھوں اور ہندوؤں کے تسلط سے آزاد کرنے کے لئے
پوری شدت سے آواز اٹھائی۔

توڑ اُس دستِ جفا کیش کو یارب جس نے
روحِ آزادیؑ کشمیر کو پاہاں کیا
اسی طرح آزادیؑ کشمیر کے حوالے سے بزرگِ عظیمِ پاک و ہند کے مسلمانوں کو اکسایا کہ
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

عالم اسلام میں پاکستان کا کردار

پاکستان کا قیام 27 رمضان المبارک (14 اگست 1947) کو عمل میں آیا۔ یہ وہ
مبارک دن ہے جس کی رات کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر سے تعبیر کیا۔ اسی
رات نزولِ قرآن کا آغاز ہوا۔ اس کے باوجود کہ کیبنٹ مشن نے پاکستان کی آزادی کے
لئے 15 اگست اور بھارت کے لئے 14 اگست کا دن مقرر کیا تھا، لیکن ہندو پنڈتوں نے یہ
کہہ کر کہ 14 اگست کا دن ان کے زائچہ کے مطابق نیک شگون نہیں ہے، اس لئے
15 اگست بھارت کی آزادی کے لئے مقرر کیا جائے۔ اس طرح مشیت ایزدی سے
14 اگست کا مبارک دن پاکستان کی آزادی کے لئے مقرر ہوا۔ اسی طرح پاکستان کا قیام
دنیا بھر کے لئے یہ پیغام تھا کہ دنیا میں ایک ایسی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آچکا ہے جو
پوری دنیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تکمیل کے لئے قائدانہ کردار ادا کرے گی۔ علم نجوم
کی رو سے پاکستان کا ستارہ برج اسد ہے۔ اوہ اگر موجودہ پاکستان کے نقشہ پر نظر ڈالی

جائے تو اس کی شکل ہو بہو شیر سے ملتی ہے۔ اقبال اس شیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ -
 نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا!

جمہاد افغانستان میں پاکستان کے کردار کے نتیجے میں سوویت یونین دنیا کے نقشہ سے غائب ہو گیا اور بقول اقبال ”اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود“ کے مصداق سوویت یونین کی خاک سے وسط ایشیا میں آزاد مسلم جمہوریاں نمودار ہو چکی ہیں۔ وسط ایشیا کے مسلمان جنہیں سوویت یونین کے کمیونسٹ نظام کے آہنی شکنجے نے بہتر سال تک اپنی گرفت میں رکھا آزاد ہو چکے ہیں اور اپنے اصل دین کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ تاجکستان، ازبکستان، تاتارستان، آذربائیجان، قازقستان اور شیشان میں احیائے اسلام کی تحریک دن بدن زور پکڑتی جا رہی ہے۔ ستر سال قبل جب سوویت یونین میں کمیونزم کا طوطی بول رہا تھا کوئی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وسط ایشیا میں بسنے والے مسلمان دوبارہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئیں گے۔ لیکن اقبال کی نظر بہت دور تک دیکھ رہی تھی -

آلیس گے سینہ چاکانِ چین سے سینہ چاک
 بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی!
 پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ وجود
 پھر جبینِ خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!

الون ٹو فلر، فرانس فوکویاما اور اقبال

اقبال کے ان اشعار میں وہی بات کسی گئی ہے جسے اب الون ٹو فلر اور فرانس فوکویاما پیش کر رہے ہیں۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکان نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا!
 تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
 جو شاخِ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا!

بالِ جبریل میں اپنی نظم ”زمانہ“ میں کہتے ہیں ۔

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہو گا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ!
 قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ!
 وہ فکرِ گستاخ جس نے عیاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ!
 جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
 جسے فرنگی مقامروں نے بنادیا ہے قمار خانہ!
 شفق نہیں مغربی افق پر، یہ جوئے خوں ہے! یہ جوئے خوں ہے!
 طلوعِ فردا کا منتظر رہ، کہ دوش و امروز ہے فسانہ!
 ضربِ کلیم میں اقبال کہتے ہیں ۔

دلوں میں ولولہٴ انقلاب ہے پیدا
 قریب آگئی شاید جہانِ پیر کی موت

اسلامی بلاک کی تشکیل میں افغانوں کا کردار

جماد افغانستان کے نتیجہ میں وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں کو آزادی ملی اور مشرقی یورپ میں کمیونزم کا خاتمہ ہوا اور مسلم ریاستیں بوسنیا اور کوسوو کو خود مختاری ملی۔ کشمیر، تیشان اور وسط ایشیائی ریاستوں میں جمادی قوتوں نے باطل نظام کے خلاف جدوجہد کے لئے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کیا اور ایک اسلامی سلطنت کے قیام کی مشترکہ جدوجہد شروع کی۔ یہ سب کچھ جمادِ افغانستان کا مرہونِ منت ہے، کیونکہ اقبال یہ کہہ گئے تھے ۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم

کہ ہو نام افغانیوں کا بلند!

ملا عمر اور اقبال

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ میرے دل میں یہ مضمون لکھنے کا خیال کیوں آیا تو اس کا جواب اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں۔ یہ اشعار ویسے تو راقم کو گزشتہ ایک عشرہ سے

ازبر ہیں لیکن ان میں موجود لفظ ”ملا“ کی سمجھ اب آئی ہے۔ لہذا جیسے ہی ذہن میں ”ملا“ اور ”فاقد کش“ (واضح رہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک کے دباؤ پر اقوام متحدہ نے افغانستان پر ہر قسم کی خوراک کی اور اقتصادی پابندی عائد کی ہوئی ہے) کا خیال واضح ہوا اس مضمون کو لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ اشعار اقبال کی نظم ”ابلیس کا اپنے فرزندوں سے خطاب“ سے لیے گئے ہیں۔

وہ فاقد کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمد (ﷺ) اس کے بدن سے نکال دو!

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج

ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو!

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اقبال کے اشعار میں یہ واحد شعر ہے جس میں ”ملا“ کو ہیرو بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ اقبال کے نزدیک اُس دور کے ملا اور مجاہد میں وہی فرق تھا جو کرگس اور شاہین میں ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے کلام میں بالعموم ملا کو ہدفِ ملامت بنایا ہے۔

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندگی

اس دور کے ملا ہیں کیوں تنگِ مسلمانی

اور۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن۔

ملا کی ازاں اور، مجاہد کی ازاں اور!

بھارتی طیارہ کے اغواء اور رہائی سے قبل طالبان کے خلاف مغربی و پاکستانی میڈیا میں بڑے بڑے مسلم اور غیر مسلم دانشور صحافی یہ پراپیگنڈا کر رہے تھے کہ وہ جدید تعلیم کے دشمن، جاہل اور دقیانوس لوگ ہیں۔ علامہ اقبال اس کا جواب اپنی نظم ”او غافل افغان“ میں یوں دیتے ہیں۔

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج

عالم فاضل بچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اقبال اور ایٹمی طاقت کا حصول

اقبال نے دنیا میں سب سے پہلے 1923ء^(۹) میں ایٹم کے انشیتاق (FISSION REACTION) کے ذریعے ایٹمی طاقت کے حصول کے بارے میں بالکل واضح طور پر اپنا نظریہ پیش کیا۔ بعد میں امریکی سائنس دانوں نے اسی نظریہ پر عمل کرتے ہوئے ایٹم بم بنایا اور آئن سٹائن نے اپنے نظریہ اضافت کی مساوات $E=mc^2$ کی تصدیق کی جس کے تحت مادہ کو حرارتی توانائی (روشنی) میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور امریکہ نے دوسری جنگ عظیم میں ایشیاء میں ایک ابھرتی ہوئی سپر پاور جاپان پر ایٹم بم گرا کر جنگ جیت لی اور دنیا میں ایک سپر پاور کے طور پر اپنا لوہا منوایا۔ اس لئے پاکستانی یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم میں کامیابی اور سپر پاور کا مقام فکر اقبال سے استفادہ کر کے حاصل کیا۔ کیونکہ امریکہ نے 1943ء میں MANHATTAN PROJECT کے تحت Dr. ROBERT OPPENHEIMER کی قیادت میں ایٹم بم تیار کرنے والی ٹیم کی بدولت اس منصوبہ میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اس سے قبل 1930ء میں دو امریکی سائنسدانوں (HANHN AND STRASSMAN) نے یورینیم کے ایک ایٹم پر نیوٹران کی بمباری سے انشیتاق کا طریقہ دریافت کیا تھا اور دوسری مرتبہ جمہور افغانستان کے نتیجے میں فکر اقبال کی تعبیر پاکستان نے فکر اقبال سے اخذ کردہ فلسفہ خودی پر عمل کر کے امریکہ کو دنیا کی واحد سپر پاور کا مقام دلانے اور ایشیاء مشرقی یورپ کی ایک سپر پاور کے خاتمہ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ کیونکہ اقبال پوری امت کے شاعر اور حکیم الامت ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو عالم اسلام کی واحد ایٹمی طاقت کے اعزاز سے نوازا ہے جو فکر اقبال کی بدولت ہمیں نصیب ہوا۔ لہذا اگر اصولی طور پر دیکھا جائے تو ایٹمی طاقت پر سب سے زیادہ حق پاکستان کا ہے، کیونکہ اس طاقت کو طشت از باہم کرنے کا سرا سرا اقبال کے سر ہے جو سر تا پیر پاکستانی تھے۔ اس لئے امریکہ سمیت تمام ایٹمی ممالک کو اقبال اور پاکستان کا شکر گزار ہونا چاہئے جس کی بدولت وہ آج ایٹمی طاقت ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا کر توانائی کے شعبہ میں خود کفیل ہو گئے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ مادہ (matter) اور روشنی (نور) کی ماہیت (nature)

یکساں ہے، یعنی اگر مادہ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے (atom) کے مرکزہ (نیوکلیس) جسے اقبال ذرہ (ایٹم) کے دل سے تشبیہ دیتے ہیں، کو عمل انشقاق کے ذریعے سے توڑا جائے تو اس میں سے بھی وہی حرارتی توانائی اور روشنی (لمو) نکلتی ہے جو سورج (خورشید) سے نکلتی ہے۔ یہ دونوں روشنیاں یکساں خصوصیات کی حامل ہیں۔ یہ بات سائنسی طور پر ثابت شدہ ہے کہ سورج کے اندر ہر لمحہ عمل انشقاق کی بدولت عمل ابتلافا (FISSION REACTION) جاری ہے جس کے نتیجے میں ہائیڈروجن کے دو بھاری ایٹم مل کر ہیلیم کا ایک ایٹم بناتے ہیں جس کے نتیجے میں بے انتہا حرارتی توانائی خارج ہوتی ہے جو سورج کی روشنی کی شکل میں ہم تک پہنچتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں ۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لمو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اسی طرح Kinetic Molecular Theory جو یہ بتاتی ہے کہ کائنات کی اکائی ایٹم اور مالیکیول ہمیشہ حالت حرکت میں رہتے ہیں (حتیٰ کہ وہ درجہ حرارت جسے مطلق صفر (absolute zero) یعنی منفی 273 ڈگری سینٹی گریڈ کہا جاتا ہے اور جس پر ہر مادی شے نظریاتی طور اپنا وجود کھودیتی ہے، یعنی اس کا حجم صفر ہو جاتا ہے، اس درجہ حرارت کے قریب پہنچ کر بھی وہ معمولی ارتعاش کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں) کائنات میں مطلق سکون (absolute rest) کا وجود نہیں۔

آج کے جدید سائنسی دور میں اسی نظریہ کی بدولت دنیا سپر کنڈکٹرنے کے قابل ہو سکی، جس کی وجہ سے کسی بھی بجلی اور حرارت کے موصل کی مزاحمت (resistance) جو اس کے ایشموں اور مالیکیولوں کی حرکت کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہے، اس حرکت کو کم کر کے مزاحمت کو بالکل ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح توانائی کا کم سے کم ضیاع ہوتا ہے۔ جدید فزکس میں حرکیات (THERMO DYNAMICS) کی بنیاد اسی حرکی نظریہ پر ہے۔ اقبال حرکی نظریہ کے بارے میں کہتے ہیں ۔

قریب نظر ہے سکون و ثبات
ترپتا ہے ہر ذرہ کائنات

بانگِ در میں نظم ”چاند اور تارے“ میں کہتے ہیں ۔

بیتاب ہے اس جہاں کی ہر شے

کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے!

اقبال جدید سائنس کے عالم یا ماہرِ علم نجوم نہیں تھے، لیکن انہوں نے اپنے فلسفہٴ خودی پر عمل کرتے ہوئے فلسفہ و ادب اور سائنسی میدان میں کارہائے نمایاں انجام

دیئے۔ وہ مسلمانوں کو بھی یہی پیغام دیتے ہیں کہ ۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

سرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی!

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا

یہ سنگ و خشت نہیں، جو تری نگاہ میں ہے!

غیار کے افکار و تخیل کی گدائی!

کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں

سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر!

مرا طریقِ امیری نہیں، فقیری ہے!

خودی نہ بچ، غریبی میں نام پیدا کر!

نہ ہے ستارے کی گردش، نہ بازیِ افلاک

خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ!

کیا گیا ہے غلامی میں بتلا تجھ کو

کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی!

اور ہم اپنے مضمون کا اختتام ان اشعار سے کرتے ہیں۔ شاعر مشرق حضرت علامہ ڈاکٹر محمد

اقبال نے بانگِ درا میں کہا تھا -

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ!
عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ!
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ!
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں!
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!!

حواشی

- (۱) آلون ٹو فلر : 'Third Wave' 1980
- (۲) نوکویاما 'The Great Disruption' ص ۱۳
- (۳) نوکویاما 'The Great Disruption' ص ۱۰
- (۴) نوکویاما 'The Great Disruption' ص ۴۱
- (۵) نوکویاما 'The Great Disruption' ص ۷
- (۶) نوکویاما 'The Great Disruption' ص ۲۷۹-۲۸۲
- (۷) حوالہ : ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۰۰ء
- (۸) جوہر اقبال ص ۳۷-۳۹، حوالہ، اقبال کابل از مولانا عبدالسلام ندوی، ص ۶۰
- (۹) حوالہ تاریخ : اقبال کابل از مولانا عبدالسلام ندوی، ص ۱۲۶

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مشیل عیسیٰ --- علی مرتضیٰ رضوی

ہاشم بکرمی : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن

خشوع و خضوع والی نماز

مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ کی روشنی میں

تحریر: انوار الحق چوہدری ☆

مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ کی تین جلدیں زیر مطالعہ رہیں۔ یہ مکتوبات کا اردو ترجمہ ہے جو مولانا زوار حسین شاہ صاحب نے کیا ہے اور ادارہ مجددیہ ۱۲/۵ بیچ۔ ناظم آباد نمبر ۳ کراچی ان کے ناشر ہیں۔

نماز کی اہمیت کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات سے متعلق چند مکتوبات نہایت دلنشین انداز میں تحریر فرمائے ہیں۔ دفتر اول میں مکتوبات ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۶، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷ خصوصیت کے حامل ہیں۔ لہذا جو حضرات اپنی نمازوں کو بہتر طریقے پر ادا کرنے کا ذوق رکھتے ہیں وہ ان مکتوبات کا بہت غور سے مطالعہ فرمائیں۔

مکتوب نمبر ۲۶۱ جلد اول میں حضرت مجدد صاحب نے میر محمد نعمان بدخشی کے نام یہ خط لکھا۔ میر محمد نعمان بدخشی نے خواجہ باقی باللہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور مجدد صاحب کی خدمت میں ایک عرصہ گزارا۔ آپ نے میر صاحب کو اجازت نامہ عطا فرما کر ۱۰۱۸ھ میں تبلیغ کے لئے برہان پور روانہ کر دیا۔

اس مکتوب میں مجدد صاحب لکھتے ہیں ”اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز کے سیکھنے کا شوق اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو اور وہ شوق آپ کو بے آرام کر دے تو استخاروں کے بعد اس طرف متوجہ ہوں اور عمر کا کچھ حصہ نماز سیکھنے میں گزاریں۔“

میر محمد نعمان بدخشی صاحب جو مجدد صاحبؒ کے پیر خواجہ باقی باللہ کے مرید تھے اور

انہیں مجدد صاحب نے خلافت دی تھی، اگر انہیں عمر کا کچھ حصہ نماز سیکھنے میں گزارنے کے متعلق مجدد صاحب لکھ رہے ہیں تو ہم جیسے عامیوں کا کیا حال ہو گا۔ ہمیں تو نماز سیکھنے اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کے لئے زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔

خشوع و خضوع والی نماز کے لئے مکتوباتِ مجدد الف ثانی کی روشنی میں بفضلِ باری تعالیٰ چند باتیں تحریر کر دی ہیں۔ اگر انہیں مطالعہ کر کے کسی ایک صاحب کو بھی ایسی نماز حاصل ہو گئی تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس عاجز کو بھی ایسی نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

نماز کی اہمیت و فضیلت

(۱) ”نماز دین کا ستون ہے“۔ ستون گر جانے کے بعد چھت بھی گر جاتی ہے۔ ایمان اور کفر کے درمیان حدِ فاصل نماز ہے۔ جس نے دانستہ نماز ترک کی وہ کفر میں داخل ہو گیا۔

(۲) ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ فرمایا : نماز۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا : جماد۔

اپنے وقت پر نماز کا پڑھنا افضل ترین عمل ہے

(۳) **الْصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ**۔ ”نماز مؤمن کی معراج ہے“۔ دولتِ رؤیتِ باری تعالیٰ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراجِ بہشت میں میسر ہوئی تھی اس جہاں میں وہ دولت آنحضرت کو نماز میں میسر ہوئی تھی۔

(۴) بے شک نماز تمام بے حیائیوں اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ (عنکبوت : ۱۴۵)

(۵) نماز مومن کا نور ہے۔

(۶) نماز جنت کی کنجی ہے۔

(۷) نماز حضور قلب کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔

(۸) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(۹) بندے کو اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں (سجدہ میں) حاصل ہوتا ہے۔

(۱۰) آخرت میں سب سے پہلے حساب نماز کا ہوگا۔

(۱۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کو جب کوئی سخت امر پیش آتا تھا تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔

(۱۲) نماز اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

(۱۳) دو صاحب اکٹھے مسلمان ہوئے۔ ایک شہید ہوا، دوسرے نے ایک سال کے بعد

وفات پائی۔ ایک بزرگ صحابی نے خواب میں دیکھا کہ یہ شہید سے بھی پہلے جنت میں

داخل ہوئے۔ آنحضور ﷺ سے دریافت فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: دوسرے

صاحب کے ایک ماہ کے روزے اور ایک سال کی نمازیں شہید سے زیادہ ہوئیں۔

اس لئے وہ پہلے جنت میں داخل ہوئے۔

(۱۴) نماز ہی ہے جو غم گساروں کے لئے لذت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کو

راحت دیتی ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ”اے بلال! مجھے نماز کے ذریعے

راحت دے۔“

مکتوباتِ مجدد الف ثانی کی روشنی میں نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرنے کے لئے

مندرجہ ذیل باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

① نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات

نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہئے۔

بقول مجدد الف ثانی ”ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے سے نماز میں خشوع و خضوع حاصل

ہوتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے وضو کے مستحبات میں سے کسی ایک مستحب کے ترک ہونے

کی وجہ سے چالیس سال کی نمازوں کو قضا فرمایا تھا۔ (مکتوب ۲۹، دفتر اول)

نوٹ : نماز کے فرائض، واجبات، سنتیں اور مستحبات اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

② وضو

وضو کامل اور پورے طور پر کرنا چاہئے۔ ہر عضو کو تین بار باہتمام و کمال دھونا چاہئے، تاکہ سنت کے طریقہ پر وضو ادا ہو۔ سارے سر کا مسح کرنا چاہئے۔ کانوں کے مسح میں خوب احتیاط کرنی چاہئے۔ بائیں ہاتھ کی چھنگلیہ سے پاؤں کی انگلیوں میں نیچے کی طرف سے خلال کرنا چاہئے۔

کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہئے، جو مومن کی معراج ہے اور کوشش کرنی چاہئے کہ فرض نماز باجماعت ادا ہو۔ بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ بھی ترک نہیں ہونی چاہئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہئے۔ قراءت میں قدر مسنون کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

مسواک کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک پڑھی جائے ستر درجہ افضل ہے۔

③ نظر

قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر، رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، سجدے میں ناک کی نوک پر اور جلسہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف نظر رکھنی چاہئے۔

جب نظر پر آگندہ ہونے سے روک لی جائے اور مذکورہ بالا جگہوں پر جمالی جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ نماز حمیت اور حضورِ دل کے ساتھ میسر ہو گئی اور خشوع کے ساتھ ادا ہو گئی۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے۔ رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا چاہئے اور سجدہ کے وقت انگلیوں کو ملانا سنت ہے۔

سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضاء زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ اول دونوں زانو زمین پر رکھے، پھر دونوں ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی۔ زانو اور ہاتھ زمین پر

رکعتے وقت دائیں طرف سے ابتداء کی جائے اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضاء کو اٹھانا چاہئے جو آسمان سے نزدیک ہیں۔ پہلے پیشانی اٹھانی چاہئے۔

④ ارکان نماز میں طمانیت

نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے۔ یعنی رکوع سجدہ، جلسہ، قومہ وغیرہ کو اچھی طرح ادا کرنا چاہئے۔ رکوع اور سجدہ میں طمانیت ضروری ہے، کیونکہ یہ فرض ہے۔ قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے، کیونکہ طمانیت فرض ہے۔ جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے۔ رکوع اور سجدہ کی کم سے کم تین تسبیحات ہیں۔ زیادہ سے زیادہ سات یا گیارہ بار۔ تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت ہوتے ہوئے پانچ یا سات بار تسبیحات کہنا چاہئیں۔

نماز کی چوری

نماز میں رکوع اور سجدہ میں جلدی کرنا نماز کی چوری کہلاتا ہے۔ اس سے آنحضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس شخص نے رکوع و سجدہ کو بخوبی اطمینان سے ادا نہیں کیا۔

⑤ ذات باری تعالیٰ کا استحضار

دل میں یہ خیال (احساس) کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر کلام کر رہا ہوں۔ حدیث جبرئیل کے مطابق نماز احسان سے ادا کرے۔ یعنی نماز ایسے پڑھے گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہیں۔ جب اس احساس سے نماز ادا کی جائے گی تو خشوع و خضوع حاصل ہو گا۔ یہ بھی خیال کرے کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو، پھر نماز نصیب ہو یا نہ نصیب ہو، کیونکہ موت کے وقت کا کسی انسان کو پتہ نہیں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ حضور قلب کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔

⑥ اذکارِ نماز کے معنی جاننا

نماز میں جو بھی آپ تلاوت کرتے ہیں وہ ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے تلاوت کریں۔ آپ جو بھی تلاوت کریں یا اذکار ادا کریں ان کے معنی آپ کو معلوم ہونے چاہئیں۔ نماز میں آپ اللہ سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو کیا آپ پسند کریں گے کہ وہ بات کہہ رہے ہیں جس کے معنی و مطلب آپ نہیں سمجھتے۔ سمجھ کر پڑھنے سے ذہن پُر سکون رہے گا، پراگندگی نہیں ہوگی، جس سے نماز میں خشوع اور خضوع حاصل ہوگا۔



نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات

نماز کی شرطیں

- ۱۔ بدن کاپاک ہونا۔ ۲۔ کپڑوں کاپاک ہونا۔ ۳۔ جگہ کاپاک ہونا۔ ۴۔ ستر چھپانا۔
- ۵۔ نماز کا وقت ہونا۔ ۶۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ ۷۔ نیت یعنی نماز کا ارادہ کرنا۔

نماز کے ارکان

- ۱۔ تکبیر تحریمہ کہنا۔ ۲۔ قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ ۳۔ قراءت یعنی قرآن شریف پڑھنا۔ ۴۔ رکوع کرنا۔ ۵۔ دونوں سجدے کرنا۔ ۶۔ قعدہ اخیرہ یعنی نماز کے اخیر میں التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھنا۔

نماز کے واجبات

- ۱۔ فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کو قراءت کے لئے مقرر کرنا۔ ۲۔ الحمد شریف پڑھنا۔ ۳۔ (الحمد کے بعد) سورت ملانا۔ ۴۔ ترتیب سے نماز پڑھنا۔ ۵۔ قومہ یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔ ۶۔ جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔ ۷۔ سکون اور اطمینان سے نماز پڑھنا۔ ۸۔ پہلا قعدہ یعنی تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد بیٹھنا۔ ۹۔ دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا۔ ۱۰۔ جہری نمازوں (فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین، تراویح اور وتر رمضان) میں امام کا بلند آواز سے قراءت کرنا اور برتری

نمازوں (ظہر، عصر وغیرہ) میں ہر نمازی کا آہستہ آواز سے قراءت کرنا۔ ۱۱۔ مقتدی کو امام کی پیروی کرنا۔ ۱۲۔ (کم از کم) السلام کہہ کر نماز سے نکلنا۔ ۱۳۔ دعاء قنوت پڑھنا۔ ۱۴۔ عیدین کی نماز میں زائد تکبیریں کرنا۔

نماز کی سنتیں

۱۔ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا۔ ۲۔ تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کی انگلیاں اپنے حال میں کھلی اور قبلہ رخ رکھنا۔ ۳۔ تکبیر تحریمہ کے وقت سر کو نہ جھکانا۔ ۴۔ امام کو تمام تکبیریں بوقت حاجت بلند آواز سے کہنا۔ ۵۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنا۔ ۶۔ ثنا (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ) پڑھنا۔ ۷۔ اعوذ باللہ پڑھنا۔ ۸۔ بسم اللہ پڑھنا۔ ۹۔ فرض کی پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ الفاتحہ پڑھنا۔ ۱۰۔ آمین کہنا۔ ۱۱۔ ثناء، تعویذ اور تسبیح سب کو آہستہ پڑھنا۔ ۱۲۔ سنت کے موافق قراءت کرنا۔ ۱۳۔ رکوع میں سر اور پٹنہ ایک سیدھ میں رکھنا اور کینیاں پہلو سے الگ رکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ لینا۔ ۱۴۔ رکوع اور سجدہ میں تین تین بار تسبیح پڑھنا۔ ۱۵۔ قومہ میں امام کو سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ اور مَقْتَدِي كُوْرَبَّنَا لِك الْحَمْدِ اور منفرد کو دونوں کہنا۔ ۱۶۔ سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر ناک پھر ماتھا رکھنا اور اٹھتے وقت اس کے برخلاف کرنا۔ ۱۷۔ سجدہ میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے الگ رکھنا اور ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی، انگوٹھے کانوں کی سیدھ میں اور دونوں پاؤں کی انگلیاں موڑ کر قبلہ رخ رکھنا۔ ۱۸۔ جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ اس کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف رہیں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔ ۱۹۔ ہاتھ رانوں پر رکھنے کی صورت میں انگلیاں قدرتی حالت میں اس طرح رکھنا کہ ان کے سرے گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ ۲۰۔ تشہد میں جب کلمہ پر پہنچے تو درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر لالہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھانا اور اللہ کہنے پر جھکا دینا اور اخیر تک ہاتھ کو ویسے ہی رکھنا۔ ۲۱۔ قعدہ اخیر میں تشہد کے بعد درود پڑھنا۔ ۲۲۔ درود کے بعد دعا پڑھنا۔ ۲۳۔ سلام کے لئے پہلے دائیں

طرف اور پھر بائیں طرف منہ پھیرنا۔

نماز کے مستحبات

۱- تکبیر تحریمہ کہتے وقت آستینوں سے دونوں ہتھیلیاں نکال لینا۔ ۲- منفرد کور کوع اور سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ طاق عدد میں تسبیح کہنا۔ ۳- قیام اور قومہ کی حالت میں سجدہ کی جگہ 'رکوع میں پیروں کے اوپر' سجدہ میں ناک پر 'جلسہ اور قعدہ میں گود میں اور سلام پھیرتے وقت اپنے کندھوں پر نظر رکھنا۔ ۴- جہاں تک ہو سکے کھانسی کو روکنا۔ ۵- جمائی میں منہ بند کرنا اور کھل جانے پر حالت قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ سے اور باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کی پشت سے روکنا (در مختار 'شامی)

مراجع و مصادر

- (۱) مکتوبات مجدد الف ثانی ۳ جلدیں 'اردو ترجمہ زوار حسین شاہ صاحب' ناشر ادارہ مجددیہ ۱۲/۵ ایچ۔ ناظم آباد نمبر ۳۔ کراچی
- (۲) فضائل نماز، مولانا محمد زکریا صاحب
- (۳) حقیقت نماز، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور
- (۴) دعوت نماز، مولانا عبدالشکور کھٹوئی
- (۵) مسائل نماز، مولانا جمیل احمد تھانوی
- (۶) نماز کی کتاب، اکرام الحق، مکتبہ اسلامیہ ۱۱/۲۳۶ ای، راولپنڈی
- (۷) نمازیں سنت کے مطابق پڑھے۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

پہنی وی پر نشر ہونے والا امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام حقیقت دین

اب ہفتہ میں دوبار دیکھا جاسکتا ہے :

- (۱) جمعرات شام سوا چھ بجے پی ٹی وی ورلڈ پر
- (۲) اتوار صبح ساڑھے نو بجے پی ٹی وی پر

امام ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ

— عبدالرشید عراقی —

امام ابو سلیمان محمد خطابیؒ بڑے نامور محدث اور جامع کمالات تھے۔ ان کو اپنے زمانہ کے تمام علوم پر کامل دسترس حاصل تھی۔ جامعیت کے اعتبار سے امام خطابی علم و ادب، زہد و ورع، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں ممتاز تھے۔ ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے ان کے علم و فضل اور جامع العلوم ہونے کا اعتراف کیا ہے اور ان کو علامہ، محقق، جلیل القدر اور فاضل کبیر کے القاب سے یاد کیا ہے۔

امام خطابی کو تمام دینی علوم میں مکمل دستگاہ حاصل تھی، لیکن علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں ان کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اور اس حیثیت سے ان کا شمار ممتاز محدثین میں ہوتا تھا۔ حفظ حدیث، عدل و اتقان اور فہم و درایت میں ان کا درجہ بلند تھا۔ تذکرہ نگاروں نے انہیں ثقہ و ثابت، حجت و صدوق اور امام حدیث لکھا ہے۔

حدیث کے علاوہ امام خطابی کو دوسرے علوم لغت و عربیت، نحو و ادب اور معانی و بیان میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اہل سیر نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ امام خطابی دوسرے علوم میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ بہت اچھے شاعر تھے اور خود بھی مشقِ سخن کرتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔ صاحبِ معجم الادباء نے ان کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں۔ آپ کے دو شعر ہیں۔

(ترجمہ) ”حوادث کے رکنے کو غنیمت سمجھو، کیونکہ یہ جلد ہی متحرک بھی ہو جاتے ہیں۔ اور سکون و سلامتی کے دنوں کو غنیمت سمجھو، کیونکہ یہ تمہارے پاس رہن ہیں اور جو چیز رہن ہو وہ تمہارے پاس چھوڑی نہیں جاسکتی۔“

(معجم الادباء ج ۲، ص ۸۴)

امام خطابی اپنے علم و فضل، زہد و اتقاء، ورع و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور مختلف النوع خصوصیات کی وجہ سے لوگوں کا مرجع بن گئے تھے، اس لئے امام و مقتدی کہلاتے تھے۔ علامہ سمعانی نے ان کو ائمہ سنت و حدیث کے نامور گروہ میں شامل کیا ہے۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے امام خطابی کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ بہت فیاض، سخی، مفسر، حلیم الطبع اور پیکر اخلاق تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ حلال اور پاکیزہ رزق کماتے تھے اور اپنے دوستوں اور نیک لوگوں پر زر کثیر خرچ کرتے تھے۔

ولادت

امام خطابی رجب ۳۱۹ھ میں غزنی کے قریب قریہ بُست میں پیدا ہوئے۔ امام ابن حبانؒ کا مولد و مسکن بھی یہی قریہ بُست تھا۔ یہ قریہ ساتویں صدی ہجری تک آباد رہا، اس کے بعد ویران ہو گیا۔

امام خطابی کا نام ابو سلیمان محمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب تھا اور اپنے پردادا خطاب کے نام سے مشہور ہوئے۔

اساتذہ و تلامذہ

امام خطابی کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست حافظ ذہبی، ابن خلکان اور علامہ سبکی نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔ امام ابو عبد اللہ حاکم صاحب المستدرک کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

تحصیل علم کے لئے رحلت

امام خطابی کے زمانہ میں عراق، حجاز، خراسان، اور ماوراء النہر وغیرہ دینی علوم کا مرکز تھے۔ خصوصاً درایت و روایت میں یہ مراکز بہت مشہور تھے۔ امام خطابی نے ان سب مراکز کی طرف رجوع کیا اور ہر جگہ اساطین فن سے اکتساب فیض کیا۔ نیشاپور میں ان کا قیام طویل عرصہ تک رہا۔ وہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

تمام علوم دینی میں ان کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ حدیث، فقہ اور اجتہاد میں

یکٹائے زمانہ تھے۔ حافظ ابن کثیر نے ان کو فقہاء مجتہدین میں شمار کیا ہے۔

فقہی مسلک

امام خطابی گو خود اجتہادی بصیرت اور فقہی ژرف نگاہی میں ممتاز تھے، تاہم وہ امام محمد بن ادریس شافعی کے مسلک سے وابستہ تھے۔

وفات

امام خطابی نے بروز ہفتہ ۶ ربیع الثانی ۳۸۸ھ کو وفات پائی۔

تصانیف

امام ابو سلیمان خطابی کو تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق تھا۔ ان کی اکثر کتابیں بیش قیمت، حسن تالیف اور دلکش طرز تصنیف کا عمدہ نمونہ ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ان کی ۱۳ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ ان کی مشہور کتابوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے :

① کتاب تفسیر اسمی الرب عزوجل : یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی شرح ہے اور اس کا شمار امام خطابی کی بہترین تصانیف میں ہوتا ہے۔

② اعلام السنن : اسی کا نام ”اعلام الحدیث“ اور ”شرح بخاری“ بھی ہے۔ یہ شرح ایک جلد میں ہے۔ اس میں لطیف نکات اور مفید مطالب بیان کئے گئے ہیں۔

③ غریب الحدیث : اس کتاب کا شمار امام خطابی کی بہترین تصانیف میں ہوتا ہے اور علمائے فن نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔

④ معالم السنن : یہ ان کی سب سے اہم اور مشہور کتاب ہے اور صحاح ستہ کی مشہور کتاب ”سنن ابی داؤد“ کی طویل شرح ہے۔ اس شرح میں امام خطابی نے احادیث کی شرح، اس کے اہم مطالب کی تشریح و توضیح اور مشکلات کو نہایت عالمانہ و محققانہ انداز سے حل کیا ہے۔ امام خطابی نے احادیث کی تشریح و تفسیر اور بحث و تحقیق سے بڑے دقیق مسائل، مہمے معانی و حقائق اور دلچسپ نکات و نتائج مستنبط کئے ہیں۔ امام خطابی نے شرعی احکام کے علل و مصالح اور اسرار و حکم بیان کرنے میں بھی خاص توجہ کی ہے۔ اس

کے علاوہ امام خطابی نے حدیث کی فنی بحثوں اور اصول حدیث پر بڑی عالمانہ گفتگو کی ہے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی اس شرح کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”معالم السنن فقہی حیثیت سے بھی نہایت اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔ امام صاحب فقہ و خلاف میں ممتاز اور خود بھی صاحبِ فقہ و اجتہاد تھے۔ چنانچہ اس میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اس زمانہ تک کے تمام ائمہ مجتہدین کی آراء و مسالک کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بعض مسائل سے امام صاحب کی فقہی ژرف نگاہی اور اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

وہ لغت و عربیت میں بھی ممتاز تھے۔ اس لئے لغوی و نحوی و صرفی بحثیں، کلام کی بلاغت، طرزِ ادا اور اسلوبِ بیان کی بھی اس میں وضاحت کی گئی ہے۔ غرض حدیثوں کی تفسیر، ان کے مواقع استنباط، وجوہ معانی کی دلالت، مشکل الفاظ و قیث متون کی شرح، فقہی مباحث، احکام و مسائل کے استنباط اور علماء کے اقوال و اختلاف کی تفصیل وغیرہ کے لحاظ سے یہ بے نظیر اور متعدد گونا گوں فوائد، مختلف النوع مباحث اور حدیث سے متعلق اہم تحقیقات پر مشتمل نہایت جامع اور مدلل کتاب ہے۔“ (تذکرۃ المحدثین، ج ۲، ص ۱۲۵)

یہ کتاب مطبوع ہے۔

مراجع و مصادر

- | | |
|---------------------------------------|------------------------------------|
| (۱) ابنِ خلکان، تاریخ ابنِ خلکان | (۲) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ |
| (۳) ابنِ جوزی، المنتظم | (۴) ابنِ سبکی، طبقات الشافعیہ |
| (۵) سماعی، کتاب الانساب | (۶) شاہ عبد العزیز، بستان المحدثین |
| (۷) ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین | |



بقیہ : حرفِ اول

اقبال نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں کہا تھا کہ اگر ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ عرب امپیریلزم کے دور میں اسلام کے چہرے پر جو گرد پڑ گئی تھی۔ اس کو ہٹا کر دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ایک صحیح تصویر پیش کر سکیں۔ ان حقائق کی روشنی میں قائد اعظم کی ۱۱/ اگست کی تقریر کے بعض جملوں سے یہ مراد لینا کہ وہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے، نئی نسل کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ قائد اعظم کی اس تقریر کی صحیح تشریح یہ ہے کہ وہ کہنا چاہتے تھے کہ پاکستان میں چونکہ مسلمان غالب اکثریت میں ہوں گے لہذا خالص جمہوری اصولوں پر بھی وہ بغیر کسی رکاوٹ کے پاکستان کو ایک مثالی اسلامی ریاست بنا سکیں گے۔ باقی قائد اعظم کا یہ کہنا کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہبی معاملات میں آزادی حاصل ہو گی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سیکولر ازم کے حامی یہ مفکرین سیکولر نیشن سٹیٹ کے حق میں دلیل کے طور پر میثاق مدینہ کو بھی پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس معاہدہ میں یہودیوں سے برابری کی بنیاد پر معاہدہ کیا کہ دونوں فریقین اپنے انفرادی دشمن کے مقابلے میں مشترکہ جنگ کریں گے۔ حالانکہ یہ محض ایک مشترکہ دفاعی معاہدہ تھا۔ جو آپؐ کی عسکری و سیاسی بصیرت کا شاہکار تھا۔ علاوہ ازیں اس معاہدے میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں کہ ”فریقین میں اختلاف کی صورت میں آخری فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہو گا۔“ اس جملہ سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اس میں اللہ اور رسول یعنی دین اسلام کو فیصلہ کن برتری حاصل تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ پوری دنیا میں سیکولر ازم کو یہودیوں نے متعارف کروایا، کیونکہ وہ اقلیت میں ہیں۔ اگر ریاست کا مذہب سے تعلق برقرار رہتا تو آج ان کی دنیا میں کوئی حیثیت نہ ہوتی۔ لہذا یہودیوں نے اپنی بقا کے لئے سازش کے طور پر سیکولر ازم کا جال بچھایا۔ اس طرح سیکولر ازم کی حمایت کرنے والے گویا یہودی عزائم کو پورے کرنے میں ان کے آلہ کار بن رہے ہیں۔